تین دن پہلے ہی سے وزیر داخلہ خود بہ نفس نفیس اس کی دھمکیاں دے رہے تھے جس پر عمل بھی کیا گیا۔ قانون کا احترام ختم کرنے کے لیے قانون کے غلط استعمال سے زیادہ کوئی موثر ترکیب نہیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ ہم کسی مہذب معاشرے میں نہیں، کسی جنگل میں رہتے ہیں، جہاں رہنے والوں کے ساتھ ہر ظلم اور زیادتی روا ہے، نہ کوئی فریاد ہے نہ شنوائی۔ جنگل کا بھی کوئی قانون ہوتا ہے، یہاں وہ بھی نہیں۔

حکمرانوں سے کچھ کہنا تو لاحاصل لگتا ہے، لیکن معاشرے کے اہلِ بصیرت کو دیکھنا چاہیے کہ آرزوؤں اور تمناؤں اور بے بہا قربانیوں سے بننے والا ہمارا یہ ملک ۵۷ سال کی آزادی کے بعد کہاں پہنچا ہے۔ کوئی براے نام بھی جمہوری حکومت ہوتی تو اپنی اور اپنی پولیس کی اصلاح کے لیے اور حقیقت کو جاننے کے لیے عدالتی تحقیقات کا انتظام کرتی۔ لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتنی معمول کی کارروائی ہے کہ کسی ذمہ دار کے ضمیر میں کوئی خلش پیدا نہیں کرتی۔ پولیس کا اپنا بھی نظم وضبط کا ایک نظام کار ہے۔ اس کے اپنے اعلیٰ افسران ہیں جو تعلیم یافتہ ہیں اور غالباً اچھا اور برا جانتے ہیں۔ وہ بھی اس کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ وہ اپنی پولیس کو حدود میں رکھیں۔ مذاکروں اور تقاریر میں اپیل کی جاتی ہے کہ عوام پولیس سے تعاون کریں، ان پر اعتماد کریں، لیکن جب لوگ آنکھوں سے یہ کچھ دیکھیں، تو کیا اعتماد کریں اور کیا تعاون کریں!

کچھ فرض شناس وکلا کو یہ ضرور کرنا چاہیے کہ وہ ذمہ دار پولیس افسران اور عملے پر باقاعدہ مقدمے کریں۔ اس کی روایت پڑ جائے تو شاید پولیس کو کچھ لگام دی جا سکے۔ ساتھ ہی انسانی حقوق کی انجمنوں کو مکمل تفصیلات مع ایک ایک طالب علم سے انٹرویو اور تصاویر فراہم کی جائیں۔

اعلیٰ افسران کو اور حکومت کے ذمہ داران کو اور پولیس کے ان اہل کاروں کو بھی جنھوں نے بے قصور نوجوان طلبہ کے بازو اور ٹانگیں اپنی سرکاری لاٹھیوں سے نہایت بے رحمی سے توڑیں اور ان کے موبائل، گھڑیاں، سامان اور نقدی پر قبضہ کر کے لے گئے (کاش! ان سے قصاص دلوانے والا کوئی مسلمان حکمران یا عدالت ہو)۔ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ کسی کو بھی یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔ اپنے اچھے اور برے اعمال کے ساتھ اپنے خالق کے حضور حاضر ہونا ہے، پھر جزا و سزا ملے گی۔ اور یہ نہ بہت دُور کی بات ہے، اور نہ بہت دیر کی بات ہے۔

ایک آقا یا بہت سے آقا!

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الزمر ۳۹:۲۹)

اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جس کی ملکیت میں بہت سے کج خُلق آقا شریک ہیں جو اسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟ ___ الحمدللہ، مگر اکثر لوگ نادانی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور توحید کے فرق اور انسان کی زندگی پر دونوں کے اثرات کو اس طرح کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ اس سے زیادہ مختصر الفاظ میں اتنا بڑا مضمون اتنے مؤثر طریقے سے سمجھا دینا ممکن نہیں ہے۔ یہ بات ہر آدمی تسلیم کرے گا کہ جس شخص کے بہت سے مالک یا آقا ہوں، اور ہر ایک اس کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہا ہو، اور وہ مالک بھی ایسے بدمزاج ہوں کہ ہر ایک اُس سے خدمت لیتے ہوئے دوسرے مالک کے حکم پر دوڑنے کی اسے مہلت نہ دیتا ہو، اور ان کے متضاد احکام میں جس کے حکم کی بھی وہ تعمیل سے قاصر رہ جائے وہ اسے ڈانٹنے پھٹکارنے ہی پر اکتفا نہ کرتا ہو بلکہ سزا دینے پر تُل جاتا ہو، اس کی زندگی لامحالہ سخت ضِیق میں ہوگی۔ اور اس کے برعکس وہ شخص بڑے چین اور آرام سے رہے گا جو بس ایک ہی آقا کا نوکر یا غلام ہو کسی دوسرے کی

خدمت و رضا جوئی اسے نہ کرنی پڑے۔ یہ ایسی سیدھی سی بات ہے جسے سمجھنے کے لیے کسی بڑے غور و تامل کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے بعد کسی شخص کے لیے یہ سمجھنا بھی مشکل نہیں رہتا کہ انسان کے لیے جو امن و اطمینان ایک خدا کی بندگی میں ہے وہ بہت سے خداؤں کی بندگی میں اسے کبھی میسر نہیں آ سکتا۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ بہت سے کج خلق اور باہم متنازع آقاؤں کی تمثیل پتھر کے بتوں پر راست نہیں آتی بلکہ اُن جیتے جاگتے آقاؤں پر ہی راست آتی ہے جو عملاً آدمی کو متضاد احکام دیتے ہیں اور فی الواقع اس کو اپنی اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ پتھر کے بت کسے حکم دیا کرتے ہیں اور کب کسی کو کھینچ کر اپنی خدمت کے لیے بلاتے ہیں۔ یہ کام تو زندہ آقاؤں ہی کے کرنے کے ہیں۔ ایک آقا آدمی کے اپنے نفس میں بیٹھا ہوا ہے جو طرح طرح کی خواہشات اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسے مجبور کرتا رہتا ہے کہ وہ انھیں پورا کرے۔ دوسرے بے شمار آقا گھر میں، خاندان میں، برادری میں، قوم اور ملک کے معاشرے میں، مذہبی پیشواؤں میں، حکمرانوں اور قانون سازوں میں، کاروبار اور معیشت کے دائروں میں، اور دنیا کے تمدن پر غلبہ رکھنے والی طاقتوں میں ہر طرف موجود ہیں جن کے متضاد تقاضے اور مختلف مطالبے ہر وقت آدمی کو اپنی اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں اور ان میں سے جس کا تقاضا پورا کرنے میں بھی وہ کوتاہی کرتا ہے وہ اپنے دائرۂ کار میں اس کو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ البتہ ہر ایک کی سزا کے ہتھیار الگ الگ ہیں۔ کوئی دل مسوستا ہے۔ کوئی روٹھ جاتا ہے۔ کوئی نکو بناتا ہے۔ کوئی مقاطعہ کرتا ہے۔ کوئی دیوالہ نکالتا ہے۔ کوئی مذہب کا وار کرتا ہے اور کوئی قانون کی چوٹ لگاتا ہے۔ اِس ضیق سے نکلنے کی کوئی صورت انسان کے لیے اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ توحید کا مسلک اختیار کر کے صرف خدا کا بندہ بن جائے اور ہر دوسرے کی بندگی کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار پھینکے۔

توحید کا مسلک اختیار کرنے کی بھی دو شکلیں ہیں جن کے نتائج الگ الگ ہیں۔

ایک شکل یہ ہے کہ ایک فرد اپنی انفرادی حیثیت میں خدائے واحد کا بندہ بن کر رہنے کا فیصلہ کر لے اور گردو پیش کا ماحول اس معاملے میں اس کا ساتھی نہ ہو۔ اس صورت میں یہ تو ہو سکتا

ہے کہ خارجی کش مکش اور ضیق اس کے لیے پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائے' لیکن اگر اس نے سچے دل سے یہ مسلک اختیار کیا ہو تو اسے داخلی امن و اطمینان لازماً میسر آجائے گا۔ وہ نفس کی ہر اُس خواہش کو رد کر دے گا جو احکامِ الٰہی کے خلاف ہو یا جسے پورا کرنے کے ساتھ خدا پرستی کے تقاضے پورے نہ کیے جاسکتے ہوں۔ وہ خاندان' برداری' قوم' حکومت' مذہبی پیشوائی اور معاشی اقتدار کے بھی کسی ایسے مطالبے کو قبول نہ کرے گا جو خدا کے قانون سے ٹکراتا ہو۔ اس کے نتیجے میں اسے بے حد تکلیفیں پہنچ سکتی ہیں' بلکہ لازماً پہنچیں گی لیکن اس کا دل پوری طرح مطمئن ہوگا کہ جس خدا کا میں بندہ ہوں اس کی بندگی کا تقاضا پورا کر رہا ہوں' اور جن کا بندہ میں نہیں ہوں ان کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے جس کی بنا پر میں اپنے رب کے حکم کے خلاف ان کی بندگی بجالاؤں۔ یہ دل کا اطمینان اور روح کا امن وسکون دنیا کی کوئی طاقت اس سے نہیں چھین سکتی۔ حتیٰ کہ اگر اسے پھانسی پر بھی چڑھنا پڑ جائے تو وہ ٹھنڈے دل سے چڑھ جائے گا اور اس کو ذرا پچھتاوا نہ ہوگا کہ میں نے کیوں نہ جھوٹے خداؤں کے آگے سر جھکا کر اپنی جان بچالی۔

دوسری شکل یہ ہے کہ پورا معاشرہ اِسی توحید کی نبیاد پر قائم ہو جائے اور اس میں اخلاق' تمدن' تہذیب' تعلیم' مذہب' قانون' رسم و رواج' سیاست' معیشت' غرض ہر شعبۂ زندگی کے لیے وہ اصول اعتقاداً مان لیے جائیں اور عملاً رائج ہو جائیں جو خداوندِ عالم نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے سے دیے ہیں۔ خدا کا دین جس کو گناہ کہتا ہے' قانون اسی کو جرم قرار دے' حکومت کی انتظامی مشین اسی کو مٹانے کی کوشش کرے' تعلیم و تربیت اسی سے بچنے کے لیے ذہن اور کردار تیار کرے' منبر و محراب سے اسی کے خلاف آواز بلند ہو' معاشرہ اسی کو معیوب ٹھیرائے اور معیشت کے ہر کاروبار میں وہ ممنوع ہو جائے۔ اسی طرح خدا کا دین جس چیز کو بھلائی اور نیکی قرار دے' قانون اس کی حمایت کرے' انتظام کی طاقتیں اسے پروان چڑھانے میں لگ جائیں' تعلیم و تربیت کا پورا نظام ذہنوں میں اس کو بٹھانے اور سیرتوں میں اسے رچا دینے کی کوشش کرے' منبر و محراب اسی کی تلقین کریں' معاشرہ اسی کی تعریف کرے اور اپنے عملی رسم رواج اُس پر قائم کر دے' اور کاروبارِ معیشت بھی اسی کے مطابق چلے۔ یہ وہ صورت ہے جس میں انسان کو کامل داخلی و خارجی